درس ۱۴

مسلمانوں کی سیاسی و ملّی زندگی کے رہنما اصول

سورۃ الحجرات کی روشنی میں

(۳)

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ○ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی ط لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ○ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ○ وَلَوْ اَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ ط وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ○ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ○ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ ط لَوْ یُطِیْعُکُمْ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَ کَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ط اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ○ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ نِعْمَۃً ط وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ○ ﴾ (آیات ۲۔۸)

"اے ایمان والو! مت بلند کرو اپنی آوازوں کو نبیؐ کی آواز پر اور مت گفتگو کرو

انؐ سے بلند آوازی کے ساتھ جیسے تم باہم ایک دوسرے سے گفتگو کر لیتے ہو' مبادا تمہارے تمام اعمال رائیگاں ہو جائیں اور تمہیں اس کا شعور تک نہ ہو۔ یقیناً وہ لوگ جو اپنی آوازوں کو اللہ کے رسول (ﷺ) کے سامنے پست رکھتے ہیں' وہی ہیں کہ جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے جانچ لیا ہے۔ ان کے لئے بخشش بھی ہے اور بہت بڑا اجر بھی۔ بلاشبہ وہ لوگ جو اے نبی (ﷺ) آپؐ کو پکارتے ہیں حجروں کے باہر سے' ان میں اکثر نا سمجھ ہیں۔ اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپؐ خود ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کے لئے کہیں بہتر تھا۔ اور اللہ بخشنے والا' رحم فرمانے والا ہے۔ اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی اہم خبر لے کر آئے تو چھان بین کر لیا کرو' مبادا تم نادانی میں کسی قوم کے خلاف اقدام کر بیٹھو اور پھر تمہیں اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔ اور جان رکھو کہ تمہارے مابین اللہ کے رسول (ﷺ) موجود ہیں۔ اگر وہؐ تمہارا کہنا اکثر معاملات میں ماننے لگیں تو تم خود مشکل میں پڑ جاؤ گے' لیکن اللہ نے تو ایمان کو تمہارے نزدیک محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں کھبا دیا ہے' اور تمہارے نزدیک بہت ناپسندیدہ بنا دیا ہے کفر کو بھی اور نافرمانی کو بھی اور معصیت کو بھی۔ یہی ہیں وہ لوگ جو اصل میں کامیاب ہونے والے ہیں۔ یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور مظہر ہے اس کی نعمت کا۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا' کمال حکمت والا ہے۔"

مسلمانوں کی حیاتِ ملّی کی دوسری اہم بنیاد

نبیّ اکرم ﷺ کا ادب واحترام

سورۃ الحجرات کی آیات ۲ تا ۸ میں مسلمانوں کی ہیئتِ اجتماعیہ یا ان کی حیاتِ ملّی کی شیرازہ بندی کی جو دوسری اہم بنیاد ہے' اس کا ذکر ہے۔ پہلی بنیاد جس کا ذکر اس سورۂ مبارکہ کی پہلی آیت میں ہے' دستوری اور آئینی نوعیت کی تھی کہ ایک اسلامی ریاست یا ایک اسلامی ہیئت اجتماعیہ یا ایک اسلامی معاشرہ پابند ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کا دائرہ وہ دائرہ ہے کہ مسلمان خواہ فرد

ہو' خواہ معاشرہ ہو' خواہ پوری ملتِ اسلامیہ ہو' خواہ کوئی اسلامی ریاست ہو وہ اس دائرے کے اندر محدود رہے گی۔ اب اس دائرے کا ایک مرکز بھی ہے اور مرکزی شخصیت ہے جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی۔ اور مسلمانوں کی حیاتِ ملی کی شیرازہ بندی میں جہاں اس پہلی اصل کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے جو دستوری و آئینی اصل ہے' وہاں دوسری بنیاد مرکزی نقطہ کی حیثیت کی حامل ہے کہ حضور ﷺ سے دلی محبت ہو' حضور ﷺ سے عقیدت ہو' حضور ﷺ کا ادب واحترام ہر آن ملحوظ رکھا جائے۔ آپ ﷺ کی توقیر و تعظیم ہو۔ گویا فی الجملہ ہر مسلمان کے دل میں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت اور آپؐ کی تعظیم جاگزیں ہو۔

یہ درحقیقت وہ جذباتی بنیاد ہے جس سے ہمارے تمدن اور ہماری تہذیب کا نقشہ بنتا ہے —— یہ بات ذہن میں رکھئے کہ انسان میں صرف عقل و ذہانت (Intellect) ہی نہیں بلکہ اس میں جذبات (sentiments) بھی ہیں۔ اور کسی بھی معاشرے میں جہاں اس کی عقلی اور فلسفیانہ اساسات کو اہمیت حاصل ہے' وہاں جذبات کے لئے بھی کوئی مرکز ضروری ہے' جس کے ساتھ اگر جذباتی وابستگی نہیں ہوگی تو دل پھٹے رہیں گے' آپس میں بُعد رہے گا اور ثقافت میں کوئی یک رنگی پیدا نہیں ہو سکے گی۔ چنانچہ کوئی تہذیبی و ثقافتی ہم آہنگی (Cultural Homogenity) وجود میں نہیں آ سکے گی۔ ایک مسلمان معاشرے میں یہ مطلوبہ کیفیت درحقیقت نبی اکرم ﷺ کے اتباع کے ذریعے سے ہی پیدا ہوتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ ایک ہے اطاعت اور ایک ہے اتّباع —— ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اطاعت نام ہے اس رویہ کا کہ جو حکم ملے اسے پورا کر دیا جائے —— اور یہ رویہ تو اصل میں اس دستوری اور آئینی بنیاد کا جزو ہے جس پر پہلے گفتگو ہو چکی ہے۔ اتباع کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ جو عمل بھی اُس شخصیت سے منسوب ہے جسے اللہ کا رسول مانا گیا ہے' جس پر ایمان لایا گیا ہے' جس کی اللہ کے نبی و رسول کی حیثیت سے تصدیق کی گئی ہے' اب اس شخصیت کی نشست و برخاست کا' اس کی گفتگو کا' اس کے رہن سہن کا' اس کی وضع قطع' اس کی تہذیب اور اس کی پوری نجی و مجلسی زندگی کا جو بھی انداز ہو' اس پورے نقشے کو اپنے سیرت و کردار میں

جذب کرنا' اس رویہ اور اس کیفیت کا نام دراصل اتباع ہے ـــــ اور اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

ثقافتی ہم آہنگی کا اہم ذریعہ : اتّباعِ رسولؐ

پھر یہ کہ مسلمانوں کی تہذیب اور اس کے تمدن کے جو اصل خدوخال ہیں وہ درحقیقت اسی اتباعِ رسول ﷺ سے وجود میں آئے ہیں ـــــ یہ بات پیش نظر رہے کہ ہر معاشرے کو اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ جو علامہ اقبال نے ایک خاص پس منظر میں کہا ہے کہ ع "خوگر پیکر محسوس تھی انسان کی نظر" تو آپ اسے چاہے انسان کی کمزوریوں میں سے ایک کمزوری شمار کریں' لیکن یہ انسان کی عالمگیر (universal) کمزوری ہے کہ کوئی دل آویز اور دلنواز شخصیت ایسی ہو کہ اگر اس سے محبت اور قلبی لگاؤ ہے تو اس معاشرے کے افراد آپس میں ایک دوسرے سے قریب رہیں گے' ان کے دلوں کی دھڑکنوں میں ہم آہنگی ہوگی۔ انسان کی یہ ضرورت ہے کہ اس کے قلبی لگاؤ کے لئے ایسی شخصیت موجود ہو جو معاشرے کی شیرازہ بندی میں نقطۂ ماسکہ کا کردار ادا کرے۔ اسے آپ ہیرو کہیں' آپ اسے کسی دوسرے اعلیٰ لقب سے پکاریں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ تمام معاشروں کو یہ ہیرو باقاعدہ گھڑنے پڑتے ہیں' یہ شخصیتیں تراشنی پڑتی ہیں۔ اس لئے کہ یہ ان کی ضرورت ہے۔ جذباتی وابستگی کے لئے ایک ایسا مرکز لازم ہے۔

کتنی بڑی خوش قسمتی ہے امت محمد (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی کہ یہاں کوئی مصنوعی شخصیت تراشنے اور گھڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسروں کو تو مصنوعی شخصیتیں گھڑنی پڑتی ہیں اور ان کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ ہر دور میں انہیں ایک نئی شخصیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس بات کی وضاحت کے لئے علامہ اقبال کا یہ مصرع بڑا پیارا ہے کہ ع "می تراشد فکرِ ما ہر دم خداوندے دگر!" لیکن ہمارے پاس نبی اکرم ﷺ کی محبوب' دلنواز' دلآویز' من موہنی' معراجِ انسانیت پر فائز شخصیت' جن کی سیرت و کردار پر کوئی دشمن بھی کہیں کوئی انگلی نہ رکھ سکا' انسانِ کامل' انسانی عظمت کا مظہر اتم شخصیت موجود ہے۔ آپ ﷺ کی شخصیت ہماری ملی شیرازہ بندی کے لئے مرکزی شخصیت ہے۔ آپؐ کے ساتھ دلی محبت' آپؐ کا ادب' آپؐ کی تعظیم' آپؐ کا احترام' آپؐ سے عقیدت' اگر اسلامی معاشرہ میں ان تمام امور کا جذبہ موجود رہے گا تو معاشرہ بنیانِ

مرصوص بنا رہے گا۔ آپ ﷺ وہ شخصیت ہیں کہ جن کے متعلق بالکل صحیح کہا گیا ہے ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا!

آپؐ وہ شخصیت ہیں جن کے بارے میں علامہ اقبال نے بالکل درست کہا ہے کہ ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبی است

اب اگر ہم ان دونوں کو جمع کریں تو ایک ہے ہماری ہیئت اجتماعیہ یا حیات ملی کے لئے دستوری' آئینی اور قانونی بنیاد ـــــ اور وہ ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی اطاعت۔ یہ گویا ایک دائرہ ہے اور اس دائرے کے درمیان ہے ایک انتہائی دلنواز اور دلآویز شخصیت' بقول شاعر ؏ "نگہ بلند سخن دل نواز جاں پُرسوز" کا مصداقِ کامل ـــــ اس کے لئے اگر "مرکز ملت" کی اصطلاح اختیار کی جائے تو مجھے اعتراض نہیں' لیکن اس شرط کے ساتھ کہ ہمارا یہ مرکز دائم و قائم ہے۔ یہ کسی بھی دور میں بدلنے والا نہیں ہے' بلکہ یہ تو ہمیشہ ہمیش کے لئے تا قیامِ قیامت جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی شخصیت ہے جو "مرکز ملت" کے مقام پر فائز رہے گی اور حضور ﷺ ہی کو معیارِ مطلق بنانا ہو گا۔ مختلف مسلمان معاشروں اور مختلف مسلمان ملکوں میں یقیناً جب رہنما اور مصلح سامنے آتے ہیں تو ہمیں ان سے محبت و عقیدت پیدا ہوتی ہے۔ اگر ترکوں کے دلوں میں مصطفیٰ کمال کی عظمت ہے تو ٹھیک ہے' وہ ان کے محسن تھے۔ اسی طرح پاکستانی مسلمانوں کے دلوں میں اگر قائداعظم محمد علی جناح مرحوم کی محبت ہے تو درست ہے' وہ ہمارے محسن ہیں۔ لیکن ہمیشہ کے لئے اور جو ابدی معیار قائم و دائم رہے گا وہ شخصیت جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے۔ اگر ہم نے اس معیار کو مجروح کر دیا تو یہ جان لیجئے کہ پھر مسلمانوں کی حیاتِ ملی کی ایک اہم اساس منہدم ہو جاتی ہے۔ یہ ہمارا وہ معیار ہے جو مستقل ہے' دائم و قائم ہے۔ یہ نہ صرف ہماری تہذیبی و ثقافتی ہم آہنگی کی ضمانت دیتا ہے' بلکہ اس تہذیبی و ثقافتی ہم رنگی' ہم آہنگی اور یکسانیت کے ساتھ تہذیب و ثقافت کا ایک تسلسل و تواتر ہے جو چودہ سو سال سے جاری و ساری ہے۔ وضع قطع اور لباس کے حدود و قیود اور نشست و برخاست کے انداز' حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے اتباع سے مسلمانوں میں فروغ

پذیر ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان چاہے مشرق بعید کے رہنے والے ہوں یا مغرب بعید کے' غرض دنیا کے کسی خطے میں بسنے والے مسلمان ہوں' ان سب کے درمیان ایک مناسبت' ہم رنگی' اور یکسانیت نظر آتی ہے۔ یہ اسی لئے ہے کہ ان کے لئے مرکزی شخصیت ہمیشہ ہمیش کے لئے جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی ہے۔

مرتبہ و مقامِ محمدیؐ کا لحاظ اشد ضروری ہے

ان آیات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے دوران کچھ واقعات ایسے ہوئے کہ جن میں لوگوں سے کچھ بے احتیاطی ہوئی' جس سے حضور ﷺ کا بلند' ارفع و اعلیٰ مقام مجروح ہونے کا کچھ اندیشہ ہوا۔ کسی نے کبھی اپنی آواز کو حضور ﷺ کی آواز سے کچھ بلند کر لیا —— اس پر فرمایا گیا کہ مسلمانو! ہرگز ایسا نہ کرنا۔ یہ وہ عمل ہے کہ تمہیں محسوس بھی نہیں ہو گا لیکن یہ اتنی بڑی گستاخی شمار ہو گی کہ تمہارے پچھلے کئے کرائے سارے اعمال رائیگاں جائیں گے' تمہاری ساری نیکیاں اکارت جائیں گی —— پھر مثبت انداز میں بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کی تعلیم اور اس کی افزائش کے لئے انہی حضرات کے دلوں کو جانچ کر اور پرکھ کر منتخب فرما لیا ہے کہ جو اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی آواز کے سامنے پست رکھتے ہیں۔ اس معاملہ میں باہر سے آنے والے بدوؤں سے کچھ بے احتیاطی ہو جاتی تھی۔ جیسے کتب سیرت میں واقعہ ملتا ہے کہ بنی تمیم کے کچھ لوگ آئے اور جیسا کہ وہاں کے بدوؤں کا ایک مزاج تھا' انہوں نے مسجد نبویؐ میں آکر پکارنا شروع کر دیا "یا محمّد اُخرج علینا" یعنی۔ "اے محمد (ﷺ) باہر آیئے" —— اس پر ان کو ٹوک دیا گیا' لیکن ساتھ ہی فرما دیا کہ یہ لوگ ناسمجھ ہیں۔ ان کی نیت میں خلل نہیں ہے' یہ ان کے مزاج کا اکھڑپن ہے جو ان کی طبیعت ثانیہ بن گیا ہے' اسی کا یہ ظہور ہے' لہٰذا ٹوکنے کے ساتھ ہی فرمایا گیا کہ: ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ "اللہ بخشنے والا ہے' رحم فرمانے والا ہے" لیکن احتیاط کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد آیت ۶ میں جو بات آئی ہے' اس پر ان شاء اللہ بعد میں گفتگو ہو گی۔ گزشتہ نشست میں مَیں نے اس سورۂ مبارکہ کے مضامین کو تین موضوعات میں تقسیم کیا تھا۔ چھٹی آیت کا تعلق ان معین موضوعات میں سے دوسرے موضوع سے ہے' لیکن آیات ۷ اور ۸ میں وہ اہم ترین بات آئی ہے جو آج کی گفتگو سے متعلق ہے۔

فرمایا : ﴿ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ فِیۡکُمۡ رَسُوۡلَ اللّٰہِ ﴾ ”اچھی طرح جان لو کہ تمہارے مابین (جو محمد ﷺ کی شخصیت ہے وہ) اللہ کے رسول ہیں“ —— اگرچہ یہ صحیح ہے کہ یہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں‘ لیکن تمہیں آپؐ کی جو شان ہر آن ملحوظ رکھنی چاہئے وہ یہ حقیقت ہے کہ حضور ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اب فرض کیجئے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ یہ سمجھ کر کہ حضور ﷺ میرے بھتیجے ہیں‘ آپؐ کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کریں جیسا ایک بڑا اپنے چھوٹے سے کرتا ہے تو یہاں حضور ﷺ کی رسول کی حیثیت کے مجروح ہونے کا اندیشہ تھا۔ لہٰذا فرمایا گیا: ﴿ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ فِیۡکُمۡ رَسُوۡلَ اللّٰہِ ؕ ﴾ ”اور جان لو تمہارے مابین اللہ کے رسول ہیں“۔ ان کے ساتھ وہ معاملہ کرو جو ایک اُمتی کو رسول کے ساتھ کرنا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کا ادب و احترام اور آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کو ہر آن ملحوظ رکھو —— اس ضمن میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کا یہ نقشہ خاص طور پر سامنے لایا گیا کہ اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کو راسخ اور جاگزیں کر دیا ہے‘ اسے تمہارے دلوں میں کھبا دیا ہے‘ تمہارے دلوں کو ایمان سے مزین کر دیا ہے اور کفر و فسق سے اور معصیت سے تمہیں طبعاً نفرت ہو چکی ہے۔ اس اسلوب میں جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح ہے‘ وہاں یہ ترغیب و تشویق کا بھی انداز ہے کہ اس معاملے میں ذرا احتیاط ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے کہ حضور ﷺ کی رسول اللہ ہونے کی حیثیت کسی حال میں بھی نظرانداز نہ ہونے پائے۔

مقامِ رسالت کے حوالے سے ہماری ذمہ داری؟

آخری بات یہ سامنے رکھئے کہ اس حکم پر ہم کیسے عمل کریں! اس کا تعلق ہم سے یہ ہے کہ حضور ﷺ کی ثابت شدہ سنتیں اور حضور ﷺ کی احادیث حضور ﷺ کی قائم مقام ہیں۔ نبی اکرم ﷺ آج بھی معناً ہمارے مابین موجود ہیں‘ اس لئے کہ حضور ﷺ کی سنتیں آج بھی زندہ و پائندہ ہیں۔ حضور ﷺ کا اسوۂ حسنہ آج بھی نصف النہار کے خورشید کی طرح درخشاں و تاباں ہے۔ ہمارے سامنے جب بھی کوئی بات حضور ﷺ کی آئے ہمیں اپنی عقل کو ایک طرف رکھ دینا چاہئے‘ اپنے فلسفے بگھارنے بند کر دینے چاہئیں‘ اپنی منطق کو پس پشت ڈال دینا چاہئے‘ اپنے ”اقوال“ پر تالا ڈال دینا چاہئے۔ تحقیق تو ہو سکتی ہے کہ حضور ﷺ نے یہ بات فرمائی یا نہیں فرمائی‘ لیکن ادب کا تقاضا یہ ہے

کہ حضور ﷺ کی حدیث کے حوالے سے جب بات سامنے آئے تو زبان فوراً بند ہو جائے' سر فوراً جھکا دیئے جائیں۔ بعد میں اگر تحقیق سے معلوم ہو کہ روایت صحیح نہیں تو ٹھیک ہے' اس پر اب عمل نہیں ہو گا۔ لیکن ادب کا تقاضا یہ ہے کہ حضور ﷺ کی کوئی بات اگر سامنے آئے تو فوراً سرِ تسلیم خم کر دیا جائے۔ لیکن اگر اس کے بر عکس پھر بھی ہم اپنے فلسفے چھانٹیں اور اپنی منطق بگھاریں تو یہ وہ طرز عمل ہو جائے گا کہ ﴿ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ ﴾ "مبادا تمہارے تمام اعمال اکارت ہو جائیں" ﴿ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ "اور تمہیں اس کا ادراک واحساس تک نہ ہو۔"

اس کے بعد ہم آیت ۶ اور آیات ۹' ۱۰ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ فرمایا :

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝ ﴾ (آیت ۶)

﴿ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ ﴾ (آیات ۹' ۱۰)

"اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی اہم خبر لے کر آئے تو چھان بین کر لیا کرو۔ مبادا تم نادانی میں کسی قوم کے خلاف اقدام کر بیٹھو اور پھر تمہیں اپنے کئے پر پچھتانا پڑے"۔

اس کے بعد فرمایا :

"اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے مابین صلح کرا دو' اور اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرنے پر مصر رہے تو اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کے سامنے جھک جائے۔ پھر اگر وہ اللہ کے حکم کو تسلیم کر لے تو پھر صلح کرا دو ان دونوں کے مابین انصاف کے ساتھ' اور عدل سے کام لو' یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ یقیناً تمام اہلِ ایمان

آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس تم اپنے بھائیوں کے مابین صلح کرادیا کرو' اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو (اس کی نافرمانی سے بچو) تاکہ تم پر رحم کیا جائے"۔

دو بڑے احکام :

اہم خبروں کی چھان پھٹک اور نزاع کی صورت میں صلح کرانے کا حکم

جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جاچکا ہے کہ مسلمانوں کی حیاتِ ملی کی شیرازہ بندی کو مستحکم رکھنے کے لئے چند نہایت اہم احکام ہیں جو سورۃ الحجرات میں وارد ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کی حیاتِ ملی یا ہیئت اجتماعیہ کی جو دو بنیادیں ہیں ان کی نشاندہی بھی ہوچکی ہے۔ ایک دستوری' آئینی و قانونی بنیاد جس پر نظامِ حکومت قائم ہوتا ہے۔ دوسری وہ جذباتی بنیاد جس سے تمدن اور تہذیب و ثقافت وجود میں آتی ہے ــــــ اب اس ہیئت اجتماعیہ کی شیرازہ بندی کو مضبوط رکھنے کے لئے دو احکام زیر مطالعہ آیات میں وارد ہوئے ہیں اور یہ دونوں احکام نہایت اہم ہیں۔

افواہوں کی روک تھام

پہلا حکم یہ ہے کہ محض افواہ پر کوئی اقدام نہ کیا جائے۔ اگر کہیں سے کوئی خبر آئے اور خبر بھی اہم قسم کی ہو (عربی میں "نبا" اہم خبر کو کہتے ہیں) تو اس کے ضمن میں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ خبر لانے والا کون ہے! اگر وہ کوئی انتہائی معتبر شخصیت ہو مثلاً حضرت ابوبکر صدیق' عمر فاروق' عثمان غنی' یا علی مجتبیٰ جیسے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی خبر دے رہا ہو تو کسی تحقیق' کسی تبیین اور کسی تفتیش کی ضرورت نہیں ہے' لیکن اگر اس خبر کو لانے والا کوئی ایسا شخص ہے کہ جو احکام الٰہیہ پر اس طور سے کاربند نہیں ہے جس طرح ایک مومن صادق کو ہونا چاہیئے تو ایسے شخص کی لائی ہوئی خبر پر کوئی اقدام کرنا بہت خطرناک ہو سکتا ہے' لہٰذا اس کی تحقیق' تبیین اور تفتیش ضروری ہے۔ اور اسی سے یہ بات از خود سامنے آتی ہے کہ اگر وہ شخص ایسا ہے کہ جس کے بارے میں معلوم نہیں ہے کہ یہ شخص متقی ہے یا فاسق' تو سب سے پہلے اس شخص کے بارے میں تحقیق کرنی ہوگی کہ اس کا کردار کیسا ہے! اس کا اخلاق کیسا ہے! دین کے ساتھ اس کے رویئے اور طرز عمل

کا معاملہ کیسا ہے! ـــــ تو یہ دونوں چیزیں سامنے رکھیئے کہ خبر لانے والے کے بارے میں بھی تحقیق و تفتیش ـــــ اور پھر جو "خبر" لائی گئی ہو' اس کے بارے میں بھی پوری چھان بین کرنی ضروری ہے۔ ان دونوں مرحلوں سے گزر کر پھر کوئی فیصلہ کیا جائے اور اس فیصلے کے مطابق پھر کوئی اقدام ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر ان معاملات میں سہل انگاری سے کام لیا جائے اور ان احتیاطوں کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو ہو سکتا ہے کہ نادانی' نادانستگی اور جہالت میں کسی غلط اطلاع کی بنیاد پر کوئی اہم اقدام ہو جائے اور بعد میں معلوم ہو کہ یہ اطلاع ہی سرے سے غلط تھی۔ یہ معاملہ عام طور پر خود ہمارے معاشرے میں نظر آتا ہے کہ ایک افواہ کہیں سے چلی اور پھر وہ بڑھتی چلی گئی' ایک کی زبان سے نکلی اور دوسرے کے کان تک پہنچی۔ اب دوسرے کی زبان سے نکلتی ہے تو اس میں اضافے ہوتے ہیں اور پھر یہ افواہ اضافوں کے ساتھ معاشرے میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتی ہے اور لوگ اس پر یقین کر لیتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات بڑی اہم ہے کہ تحقیق و تفتیش کے ذریعے صحیح معلومات حاصل کرنے کے بعد کوئی اقدام ہو۔ اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کا ایک فرمان بہت ہی پیارا ہے۔ آپؐ نے ہمارے سامنے ایک ایسا معیار رکھا ہے کہ واقعتاً اگر اس پر انسان کسی درجے میں بھی عمل پیرا ہو جائے تو اس طرح کے تمام اندیشوں کا سدباب ہو جائے گا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا : ((كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ)) "کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے آگے بیان کر دے" ـــــ اب دیکھئے کہ یہ بڑی عجیب اور بڑی پیاری بات ہے جو حضور ﷺ نے ارشاد فرمائی کہ ایک شخص نے کسی سے کچھ سنا' اس میں کوئی اضافہ بھی نہیں کیا' وہی بات جوں کی توں آگے بیان کر دی تو یہ طرز عمل ہی اس کے جھوٹا ہونے کے لئے کافی ہے۔ غور کیجئے کہ بات کیا ہے! اسے یہ چاہیئے تھا کہ اس بات کو اپنی زبان سے نکالنے سے پہلے خود اس کی تحقیق کر لیتا۔ بالفرض وہ بات غلط ہے تو اس غلط بات کے پھیلانے میں وہ بھی ایک واسطہ بن گیا۔ اس کے ذریعے سے وہ جھوٹ کتنی دور تک پھیل سکتا ہے' اس کا اندازہ ہر شخص خود کر سکتا ہے۔

احادیثِ مبارکہ کے معاملے میں خصوصی احتیاط

اب اس ضمن میں ایک بات مزید نوٹ کر لیں۔ زیر مطالعہ آیت سے اگلی آیت

(نمبر ۷) جس کا ہم مطالعہ کر چکے ہیں' اس میں خاص طور پر نبی اکرم ﷺ کے مقام کو بڑی وضاحت سے سامنے لایا گیا ہے کہ ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﴾ ساتویں آیت کے اس جزو کا چھٹی آیت سے بھی ربط ہے۔ وہ اس پہلو سے کہ تمام اطلاعات اور تمام خبروں کی تحقیق و تفتیش ہونی چاہئے' لیکن جو بات خاص طور پر نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب ہو رہی ہو' چاہے وہ کتنی چھوٹی سے چھوٹی بات ہی کیوں نہ ہو' ہر مسلمان کے لئے وہ بات اس اعتبار سے بہت بڑی ہے کہ یہ حضور ﷺ کے فرمان کے طور پر پیش کی جا رہی ہے۔ اسی سے تو ہماری ساری شریعت اور ہمارے تمام قوانین کا ڈھانچہ بنے گا اور اسی پر ہمارے تمدن اور ہماری تہذیب و ثقافت کی تشکیل ہو گی' لہٰذا اس معاملہ میں سہل انگاری' صرف نظر یا تساہل عام معاملات کے مقابلے میں بہت زیادہ خطرناک نتائج پیدا کر سکتا ہے۔

یہ ہے وہ اہم بات جس کے تحت ہمارے محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے احادیث کی تحقیق و تفتیش میں اپنی پوری پوری زندگیاں لگا دیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجر عظیم عطا فرمائے کہ انہوں نے حضور ﷺ کی احادیث بیان کرنے والے راویوں کے حالات کی بھی پوری چھان بین کی اور جرح و تعدیل کے اصول معین کئے۔ اس طرح اسماء الرجال کا ایک بہت بڑا علم اور ایک بہت بڑا فن وجود میں آیا۔ ہزاروں راویانِ احادیث کی زندگیوں کے بارے میں تحقیق ہوئی' پھر ان کے حالات مدون کر کے ضبط تحریر میں لائے گئے' پھر ان کی درجہ بندی کی گئی۔ اگر کسی شخص نے نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کر کے کوئی بات کہی تو اسے محض اس بنیاد پر قبول اور تسلیم نہیں کر لیا جائے گا کہ یہ بات "قال قال رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم" کے الفاظ سے بیان کی گئی ہے' بلکہ اس کی پوری تحقیق و تفتیش اور پوری چھان بین ہو گی' روایتاً بھی ہو گی اور درایتاً بھی۔ ان راویوں کے حالات پر بھی جرح ہو گی جو اس کو بیان کرنے والے ہیں۔ حدیث میں جتنے بھی واسطے اور links ہیں' ان کی ثقاہت اور ان کے تدین کی بھی تحقیق ہو گی۔ پھر حدیث کے متن پر درایتاً بھی غور کیا جائے گا۔ یہ سارے کا سارا نظام در حقیقت اسی حکم کے تحت ہے کہ "اے اہل ایمان' اگر تمہارے پاس کوئی فاسق شخص کوئی اہم خبر لے کر آئے تو تحقیق اور تفتیش کر لیا کرو"۔

باہمی نزاع کی صورت میں صلح کرانے کا حکم

اب آیئے اس دوسرے بڑے حکم کی طرف جو آیات نمبر ۹ اور ۱۰ میں ہمارے

سامنے آیا ـــــ اگر اس ساری احتیاط کے باوجود مسلمانوں کے دو گروہوں کے مابین کوئی نزاع برپا ہو جائے' کوئی جھگڑا ہو جائے' کسی نوع کا اختلاف ہو جائے اور یہ اس شدت کو پہنچ جائے کہ وہ باہم ایک دوسرے سے لڑ پڑیں تو ایک مسلم معاشرے کا کیا رویہ ہو! فرمایا: ﴿ وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اقۡتَتَلُوۡا... ﴾ "اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں..." اس کے معنی یہ ہیں کہ مسلمان بھی آخر انسان ہیں۔ خطا اور نسیان کا ارتکاب ہر انسان سے ہو سکتا ہے' لہٰذا مسلمانوں کے مابین اگر کوئی جھگڑا کھڑا ہو جائے' وہ باہم لڑنے اور جھگڑنے لگ پڑیں تو یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے' ایسا ہو سکتا ہے۔ پوری نیک نیتی کے ساتھ بھی اختلاف ہو سکتا ہے۔ پھر حالات ایسی صورت بھی اختیار کر سکتے ہیں کہ دونوں فریق اگرچہ نیک نیت ہوں' لیکن پھر بھی مسئلہ الجھتا چلا جائے۔ خاص طور پر اس صورت میں جب کہ کچھ خارجی عناصر بھی موجود ہوں اور کوئی سازشی عنصر اندر بھی موجود ہو کہ جو دونوں فریقوں کو بھڑکا رہا ہو' تو ہو سکتا ہے کہ خلوص اور نیک نیتی کے باوصف وہ جھگڑا باہمی قتال اور جنگ کی صورت اختیار کر جائے۔ اس صورتحال کا مطلب یہ نہیں ہو گا کہ ان میں سے کسی ایک فریق کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دے دیا جائے یا ان کے ایمان کی نفی کر دی جائے۔ واضح رہے کہ اس آیت کے آغاز میں دونوں لڑنے جھگڑنے والے گروہوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ ﴿ وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اقۡتَتَلُوۡا ﴾ "اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں"۔ چنانچہ یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ ان میں سے کسی کے بھی ایمان کی نفی نہیں کی گئی ہے۔

مصالحت کا قانون

آگے چلئے' اس سورۂ مبارکہ کی آیات زیر مطالعہ میں ایک پورا قانون بیان ہوا ہے' جس کی کئی دفعات ہیں۔ پہلی دفعہ یہ ہے کہ ﴿ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا ﴾ کہ یہ تمہارا فرض ہے کہ ان کے مابین صلح کرا دو۔ یعنی بے تعلقی کا رویہ صحیح نہیں ہے کہ ہمیں مداخلت کی کیا ضرورت ہے' یہ ان کا آپس کا معاملہ ہے جس سے وہ خود نمٹیں۔ یہ روش چھوٹی سطح پر بھی غلط ہے اور بڑی سطح پر انتہائی غلط ہے۔ اگر دو بھائیوں کے مابین اختلاف ہو گیا ہو اور بقیہ بھائی یا قریبی اعزہ یہ سوچیں کہ یہ اپنا اختلاف آپس ہی میں طے کریں' ہم اگر ایک کے حق میں بات کریں گے تو خواہ مخواہ دوسرے کی خفگی اور ناراضگی مول لیں گے اور

دوسرے کے حق میں بات کریں گے تو پہلا خفا اور ناراض ہو جائے گا۔ تو یہ بے تعلقی کا رویہ بہت غلط ہے۔ اس کیلئے انگریزی محاورے "Nip the evit in the bud" کے مطابق عمل ہونا چاہیئے۔ چنانچہ برائی نے جہاں بھی ظہور کیا ہے' وہ ایک رخنہ ہے جو مسلمانوں کی ہیئت اجتماعیہ میں رونما ہوا ہے' اس فصیل میں ایک دراڑ پڑ گئی ہے' اگر یہ دراڑ بڑھ گئی تو اس سے غنیم کو اندر آنے کا موقع ملے گا' دشمن اندر گھس آئے گا' لہٰذا پہلی فرصت میں اس دراڑ کو بند کرو اور اس رخنے کو ختم کرو۔ چنانچہ حکم دیا گیا ﴿فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا﴾ یہ پہلی دفعہ ہے اور چونکہ "اَصْلِحُوْا" فعل امر ہے اور فقہ میں عام طور پر یہ اصول مانا جاتا ہے کہ "الامر للوجوب" پس معلوم ہوا کہ یہاں مسلمانوں پر واجب اور فرض کیا جا رہا ہے کہ وہ مصالحت کرائیں۔

اب اس کے بعد دوسری دفعہ ہے ﴿فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى﴾ "پس اگر (مصالحت اور صلح کی کوشش کے باوجود) ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرتا جا رہا ہے" ــــ اس زیادتی کی دو شکلیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ گروہ مسلمانوں کی جو مجموعی طاقت اور قوت ہے' اسے صلح سے انکار کر کے ضعف پہنچانے کا سبب بن رہا ہے اور بے جا طور پر اپنی زیادتی پر مصر ہے۔ دوسری یہ کہ ان کے مابین جو صلح اور مصالحت کرائی گئی تھی' اس کی شرائط پر وہ کاربند نہیں رہا' اس نے از سر نو کوئی زیادتی کی ہے۔ ان دونوں حالتوں کے بارے میں حکم مل رہا ہے: ﴿فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ﴾ "اب تم اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہے" ــــ یعنی اب یہ جھگڑا دو فریقوں کے مابین نہیں رہا' بلکہ ملت کا بحیثیت مجموعی جو مقام و مرتبہ ہے' اس گروہ نے اسے چیلنج کیا ہے' وہ اسے غیر مؤثر بنانے اور نقصان پہنچانے کے درپے ہے۔ لہٰذا اب اُمت کی مجموعی طاقت بروئے کار آئے اور وہ زیادتی کرنے والے گروہ سے لڑ کر اسے مجبور کرے کہ وہ اس زیادتی سے باز آ جائے۔ چنانچہ فرمایا ﴿حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ﴾ "یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کے سامنے جھک جائے"۔ یہاں "امر اللہ" میں ان شرائط کی طرف اشارہ ہے جو ملت کی ہیئت اجتماعیہ نے ان دونوں فریقوں کے مابین طے کرائی تھیں۔ وہی شرائط درحقیقت امر اللہ ہیں۔

تیسری دفعہ یہ بیان فرمائی: ﴿فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا﴾

"پھر اگر وہ فریق لوٹ آئے' زیادتی سے باز آجائے تو پھر ان کے مابین از سرنو عدل کے ساتھ صلح کراؤ' اور انصاف سے کام لو۔" ـــــ آیت کے اس حصے پر غور فرمایئے۔ یہ قرآن حکیم کا اعجاز ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں واقعتاً گھٹنے ٹیکنے پڑتے ہیں اور سر جھکانا پڑتا ہے کہ یہ انسان کا کلام نہیں ہو سکتا' یہ اللہ ہی کا کلام ہے ـــــ یہاں بات دو اسلوبوں سے فرمائی گئی ہے: ﴿ بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ﴾ یعنی اب جو صلح کراؤ تو عدل کے ساتھ کراؤ اور دیکھو انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ یہ تکرار کیوں ہوئی؟ یہ اس لئے کہ جب ملت نے بحیثیت مجموعی ایک فریق کو صلح پر مجبور کیا ہے تو ہو سکتا ہے کہ جذبات میں آکر اس فریق پر کوئی ناروا زیادتی ہو جائے اور اسے زیادہ سے زیادہ دبانے کا رجحان پیدا ہو جائے' لہٰذا یہ خاص احتیاط کا مقام ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اب بطور سزا اس پر ایسی شرائط عائد کر دی جائیں جو نامناسب و ناروا ہوں اور جو زیادتی کے زمرے میں آتی ہوں۔ چنانچہ متنبہ کر دیا گیا ہے کہ زیادتی کرنے والا فریق بھی آخر مسلمان ہی ہے' اہل ایمان ہی میں سے ہے' لہٰذا اب کہیں اس پر زیادتی نہ ہو جائے اور عدل و قسط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ ﴾ "جان رکھو کہ بلاشک و شبہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

صلح و مصالحت کی اصل بنیاد

اس کے بعد اگلی آیت میں ایک حتمی و قطعی ضابطہ اور سنہری اصول بیان فرما دیا گیا کہ مسلمانوں کے مابین معاملات اور تنازعات طے کراتے ہوئے جو روح کار فرما رہنی چاہیئے' جو اہم ترین بات پیش نظر رکھنی چاہیئے وہ کیا ہے! اس کی ان الفاظ مبارکہ میں تعلیم دی گئی اور تلقین فرمائی گئی ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ﴾ "یقیناً تمام مسلمان' تمام اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں" ﴿ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ﴾ "لہٰذا اپنے بھائیوں کے مابین صلح' صفائی اور مصالحت کرا دیا کرو" ـــــ ان الفاظِ مبارکہ کے ذریعے سے فطرتِ انسانی کو اپیل کیا گیا ہے۔ یہ انسان کی فطرتِ سلیمہ کا تقاضا ہے کہ دو بھائیوں کے مابین جھگڑے کو دیکھ کر کوئی خوش نہیں ہوتا۔ دو بھائیوں کو لڑتا جھگڑتا دیکھ کر ہر سلیم الفطرت انسان یہ چاہے گا کہ ان کے مابین صلح اور مصالحت کرائے۔ تو اسی فطرت کو اپیل کیا جا رہا ہے کہ مسلمان تو سب کے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں' ان سب کا ایک دوسرے سے

رشتۂ اخوت ہے' لہٰذا اگر مسلمانوں کے مابین کہیں ایسا اختلاف ہو جایا کرے کہ جھگڑے اور لڑائی کی نوبت آ جائے تو اسی جذبے اور روح کے ساتھ جو بھائی بھائی ہونے کے ناطے تم میں ہونی لازمی ہے' ان کے مابین صلح کرانے کی کوشش کرو۔ آخر میں فرمایا:
﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ "اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' اس کی نافرمانی سے بچتے رہو' اسی طرز عمل کے نتیجے میں تم امید کر سکتے ہو کہ تم پر رحم کیا جائے گا' تم پر رحمت خداوندی کا سایہ ہو گا۔"

ہمیں ان احکام کو اپنی گھریلو سطح پر' برادری کی سطح پر اور محلّہ کی سطح پر پیش نظر رکھنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے رہنا چاہئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جلد وہ دن بھی لائے کہ پوری اُمت مسلمہ ایک وحدت کی شکل اختیار کر لے' ان کے آپس کے جھگڑے' تنازعات' اختلافات ختم ہو جائیں اور یہ بات صورتِ واقعہ اختیار کر لے کہ ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

یا جیسے علامہ اقبال مرحوم نے اپنے لیکچرز میں کہا ہے کہ مسلمان قوموں کی ایک دولت مشترکہ (Common Wealth) ہی وجود میں آ جائے۔ پھر عجیب بات ہے کہ علامہ نے اس ضمن میں طہران کا تذکرہ کیا تھا کہ ؎

طہران ہو گر عالمِ مشرق کا جنیوا
شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے!

اللہ تعالیٰ اگر ہمیں عالم اسلام کا ایک "کامن ویلتھ" قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے تو ہم اس بلند سطح پر بھی ان احکامِ قرآنیہ پر عمل کرنے کے قابل ہو جائیں گے جو مذکورہ بالا آیات کی روشنی میں ہمارے سامنے آئے ہیں۔

اقول قولی ھذا واستغفر اللّٰہ لی ولکم ولسائر المُسلمین والمُسلمات○○

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔